اعجازالحق قدوسی

سندھ کا ایک عظیم فارسی گو شاعر
محسنؒ ٹھٹوی

سندھ کے فارسی گو شعراء میں محسن ٹھٹوی کا شمار صف اول کے شعراء میں ہوتا ہے افسوس ہے کہ جس قدر وہ عظیم شاعر تھا اسی قدر اس کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

محسن کے حالات تک رسائی کا ذریعہ ہمارے لیے میر علی شیر قانع ٹھٹوی کی دو[2] کتابیں تحفۃ الکرام اور مقالات الشعراء ہیں، جن میں قانع نے اپنے اس عظیم ہمعصر کے متعلق بہت نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔

قانع نے مقالات الشعراء میں محسن کے حسب و نسب کے متعلق لکھا ہے کہ

"محمد محسن ولد نور محمد بن ابراہیم بن یعقوب تتوی"

قانع نے محسن کا پیشہ خاندانی ریشم فروشی بتایا ہے۔ قانع کے بعد مخدوم ابراہیم خلیل ٹھٹوی تکملہ مقالات الشعرا میں محسن کو صباغ (رنگریز) لکھتے ہیں۔

محسن کی ولادت بارہویں صدی ہجری میں ہوئی۔ یہ زمانہ سندھ میں مغل گورنروں کی حکومت کا تھا۔ محسن کی شعر گوئی کی ابتدا کب سے ہوئی، اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل تھا۔ قانع کا بیان ہے کہ محسن جوان ہو کر رنگین طبع نکلا، اور ابتدائے شعور ہی میں وہ

مغل گورنر نواب لطف علی خاں ہمت سے وابستہ ہوگیا۔ اس کی شاعری اسی نواب کی سرپرستی میں پروان چڑھی۔ خیال ہے کہ وہ ۱۱۳۶ھ یا ۱۱۳۵ھ میں نواب لطف علی خاں ہمت کی سرپرستی میں آیا ہوگا۔ جب کہ اس کی عمر سولہ یا سترہ سال کی ہوگی۔ چونکہ نواب لطف علی خاں ہمت نے ۱۱۴۴ھ میں وفات پائی اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ سات آٹھ سال تک نواب کی تربیت میں رہا۔

ہمت دلیر خاں کی اجارہ داری کے بعد صادق علی خاں نے ۱۱۴۹ھ میں ٹھٹہ کا اجارہ حاصل کیا۔ صادق علی خاں کے بھائی محمد تقی خاں سے محسن کا کس طرح تعارف ہوا، پتہ نہیں چلتا۔ خیال ہے کہ محمد تقی خاں کے ذریعہ سے اس کے بھائی نواب صادق علی خاں تک محسن کی رسائی ہوئی ہوگی۔

۱۱۵۰ھ کے بعد ٹھٹہ کا علاقہ اجارہ داری پر میاں نور محمد کلہوڑہ کو مل گیا۔
۱۱۵۳ھ میں میاں نور محمد کے بیٹے میاں احمد یار خاں کی شادی ہوئی۔ محسن نے اس تقریب میں قطعہ کہا

گمان یہ ہے کہ اس تقریب کے موقعہ پر میاں نور محمد نے محسن کو ٹھٹہ سے خداباد بلوایا ہوگا اور اس پرمسرت موقع پر اس کا آٹھ آنے روزینہ مقرر کیا ہوگا جو اسے ہر چھ ماہ کے بعد ملتا تھا۔

مشرق کے ادیبوں اور فنکاروں کا عموماً مقدر یہ ہے کہ وہ عمر بھر فن کی خدمت کرتے رہیں اور آخریں افلاس و تنگدستی کا شکار ہوکر کسمپرسی میں جان دے دیں۔ چنانچہ یہ عظیم شاعر بھی ساری عمر کس پرسی اور ناقدری روزگار کا شکار رہا۔ بلکہ اسے بڑا دکھ یہ بھی تھا کہ اسے بعض نااہل دولت مندوں کی خوشامد میں قصیدے کہنے پڑتے ہیں۔ وہ اس کے لیے روتا تھا کہ فن اور کمال کا جوہری اس کو نہیں ملتا۔

شہرت کا ہما اس کے سر پر بیٹھا ہوا مگر لکشمی دیوی (دولت کی دیوی) اس پر نامہربان تھی۔ اس کی شہرت و عظمت اور ناقدری فن کے متعلق قانع لکھتا ہے کہ

"ملک قدرشناس نہیں تھا ..... ایس کی زندگی ہی میں اس کے اشعار

کی شہرت ہو چکی تھی، باہر سے آنے جانے والا ہر شخص جب اس کے دلکش کلام کو سنتا تو بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کے دیوان کی نقل ساتھ لے جاتا۔"

محسن نے میاں مرادیاب خاں کی مدح میں جو قصیدہ کہا ہے، اس میں وہ ناقدریٔ روزگار کی شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے ؂

ز حالِ محسنِ مداح سر بسری مگذر　　که بس نزار و پریشاں چو زلف دلدار است
ازیں سبب دُرِ نظم زگوشِ نافہماں　　نہاں بگردِ یتیمی چوں دُرِ شہوار است
بلے بغیر شناشندہ اہی، گہر خزف است　　چناں کہ جز بہ سخن داں گلِ سخن خار است

محسن کو اپنی شاعری میں اپنے مقام کا عرفان ہے، وہ برخود غلط نہیں، بلکہ اپنی شاعرانہ عظمت کو جانتا ہے، لیکن اسے شکوہ یہ ہے کہ اسے کوئی سخن شناس نہیں ملتا۔ وہ اپنے فن کے کمال اور جمال کو دیکھتا تھا۔ اور فن کی بے قدری اور اپنے افلاس و تنگدستی پر نوحہ کناں رہتا تھا۔

جب میاں نور محمد نے اپنے دارالحکومت خدا آباد میں اُسے بلایا تو اس نے اپنے ناسازگار حالات اور افلاس سے تنگ آ کر اس سے معذرت کرتے ہوئے نہایت دردناک پیرائے میں لکھا ؂

منم محسن از دل دعاگوئے تو　　ثنا گسترِ نام نیکوئے تو
ندارم سواری، نہ زادِ سفر　　نہ جائے نشستن سخن مختصر
چو یادم نمودی، زیادم مدہ　　ز خاکم گرفتی، بہ بادم مدہ

محسن قدرتاً خوبصورت نہیں تھا، اسے خود اس کا احساس تھا، وہ نہایت لطیف پیرائے میں اپنی عروس سخن کے جمال کو اپنا بناتے ہوئے میاں نور محمد کو لکھتا ہے ؂

اگر نقش صورت مرا خوب نیست
چو معنیٰ بود، نقش مطلوب نیست

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محسن کا یہ وظیفہ کسی حاکم نے بند کر دیا، افلاس و تنگ دستی

میں اس قلیل وظیفے کی بندش نے اس کے دامن ضبط کو اور بھی تار تار کر دیا۔ اس نے میاں نور محمد کو اس کی اطلاع دی اور اپنے وظیفے کو دُگنا کرنے کی درخواست پیش کی۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اس کی یہ درخواست منظور نہیں ہوئی اور وہی آٹھ آنے یومیہ جاری رہا۔

قانع نے اس کے عادات و خصائل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"محسن نہایت عمدہ شاعرانہ وضع رکھتا تھا، اس کی صحبت فیض سے خالی نہ تھی، اس نے ہمیشہ سرشار و سرخوش زندگی بسر کی"

قانع کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محسن رنگین مزاج اور رند بادہ خوار تھا، شاید زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں نے اسے دریکدہ تک پہنچایا ہو۔

محسن کی شاعری کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو اس کی شعرگوئی کی مدت ۱۱۴۹ھ تا ۱۱۶۳ھ تقریباً پندرہ سال قرار پاتی ہے۔ اس قلیل مدت میں اس نے اپنی شاعری سے فارسی ادب کے سرمائے میں جو اضافہ کیا وہ قابل تحسین و مبارکباد ہے۔ اصناف سخن کی کوئی صنف ایسی نہیں جس میں محسن نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔

اس نے نہ صرف خود شاعری کی بلکہ دوسروں کو اشعار دے کر انھیں شاعر بنا دیا۔ قانع نے محسن کے بیٹے غلام علی مداح کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"آقا زکی وہ ہاشمی عہد نادری میں ٹھٹھہ آیا، محسن سے اس کے تعلقات بڑھے، اس کے بعد وہ ٹھٹھہ سے خداباد چلا گیا، وہ اکثر محسن سے شعر کی فرمائش کرتا تھا، اور وہ معنیٰ و مطالب جنھیں وہ نظم نہیں کر سکتا تھا، محسن سے کہلوا لیتا تھا، اس طرح محسن نے کئی داستانیں اور مثنویاں اس کے نام سے اُسے کہہ کر دیں"

محسن کی شاعری کی خصوصیات

محسن کی شاعری میں ہمیں حافظ شیرازی کا پرتو گہرا نظر آتا ہے۔ حضرت جوش ملیح آبادی نے ایک [illegible] اس کا دیوان دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ یہ اپنی شاعری میں حافظ کا مقلد ہے، اور بالکل چاپانی حافظ معلوم ہوتا ہے۔ خود محسن اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

محسن زیادہ خانۂ حافظ کشیدہ مے
ساقی! بنور بادہ برافراز جام ما

محسن کی شاعری میں رفعتِ تخیل، فکر کی گہرائی، چست بندشیں، حُسنِ الفاظ، شاداب و شگفتہ خیالات، تشبیہات و استعارات، نادر ترکیبیں اور فن کی پختگی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ ہم اس کے دیوان سے چند اشعار انتخاب کرکے یہاں پیش کرتے ہیں۔ ایک طویل مترنم بحر میں صنائع لفظی اور لف و نشر مرتب کے جو جوہر اس نے دکھائے ہیں، وہ اس کی قادرالکلامی کا بہترین ثبوت ہیں:۔

کہتا ہے ؎

اے گل خود رو، سرو سمن بو، نرگس جادو زلف معنبر
از تو بہ نالش بلبل و قمری، وز تو بنازش آہو و عنبر
لمعۂ رویت، شمۂ بویت، حلقۂ مویت، چشمِ نکویت
ماہ دل آرا، عنبر سارا، نقش چلیپا، گردش ساغر
ہم ز تو نازد، ہم بتو نازد، ہم ز تو یابد، ہم بتو زیبد
غنچۂ دہانی، مور میانی، سرو چمانی، زینت و زیور
ہم بتکلم، ہم بتبسم، ہم بہ نگاہی، ہم بہ ادائی
زینتِ گوشی، راحت ہوشی، آفت شہری، غارت کشور

اس کی دوسری غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے جو اس کے شاعرانہ کمال کے مظہر ہیں ؎

برجِ دل از مہرِ خوباں روشن است
آفتابی در شرف داریم ما

خوباں کہ دستگیری برگِ حنا کنند
رنگِ بہار ریختہ اند از خزانِ ما

از گلشنِ خیالِ تو یک برگ آئینہ
از دفترِ جمالِ تو یک فرد آفتاب

در کتاب حسن می گوئی وفا را باب نیست

ایں روایت ہیچ جا در روضۃ الاحباب نیست

من نمی گویم ز دنیا سیم و زر باید گرفت

حاصل عمر از بتان سیم بر باید گرفت

اے خوشا رند قدح گیر کہ در دست و بغل

شیشہ و بادہ و خورشید جمالی دارد

بہ ہر کس قدر ہمت خانہ دادند

ترا مسجد، مرا مے خانہ دادند

سندھ کے اس باکمال شاعر نے بیالیس ۴۲ سال کی عمر میں ۲۰ شوال ۱۱۶۳ھ کو وفات پائی ۔

جب قلب انسانی پر "خصائل بہیمیہ" غالب آجاتے ہیں تو انسان کے قبض و بسط کا وہی حال ہوتا ہے جو بہائم اور چوپایوں کے قبض و بسط کا ہوتا ہے اور یہ قبض و بسط اگر طبیعت و وہم کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے تو اسے قلب بہیمیہ کہیں گے ۔ اور اگر قلبِ انسانی خواب و بیداری میں شیطانی وسواس قبول کر لیتا ہے تو اس وقت انسان کو "شیطانِ انس" کہتے ہیں اور اگر قلب پر ملکی خصائل غالب آجاتے ہیں تو اس قلب کو "قلبِ انسانی" کہیں گے اور اس صورت میں انسان کی محبّت، خوف اور اس قسم کے تمام امور عقائدِ حقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اور جب کامل طور پر قلب کی صفائی ہو جاتی ہے اور اس کا نور ترقی کرتا جاتا ہے تو اس قلب کو رُوح کہیں گے ۔ اور اس صورت میں اس کے اندر ایسا "بسط" پیدا ہو جاتا ہے کہ قبض کا نام تک نہیں رہتا اور سوائے اُلفت و محبت، اطمینان و سکون کے وہاں کچھ ہوتا ہی نہیں، قلق و اضطراب نام کو نہیں ہوتا ۔

(حجۃ اللہ البالغہ ، باب فتن)